کا خاتمہ بھی کر دیا جو لباس کے استعمال سے پیدا ہو سکتے تھے جس لباس یا اندازِ لباس سے غرور و تکبر کا اظہار ہوتا ہو اس کی ممانعت کردی گئی اور اس پر سزا اور عذاب کی خبر دی گئی مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ :

من جرثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ ۔ جو اپنے کپڑے کو غرور سے (زمین پر) گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نہیں دیکھے گا ۔

اس حدیث شریف میں اس دستور کی طرف اشارہ ہے جو امراء اور سرداروں میں پایا جاتا تھا کہ وہ اپنے ازار کو اتنا نیچا رکھتے تھے کہ وہ زمین پر گھسٹتا چلے۔ اس سے مقصود اپنی شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ اسی طرح اسلام میں وہ لباس بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے جو اپنے نام و نمود اور اپنی شہرت اور دکھاوے کے لئے پہنا گیا ہو ۔

مغربی لباس جو ہماری موجودہ معاشرہ میں انگریز کی سابقہ غلامی کی وجہ سے جاری اور ساری ہے وہ سادگی کفایت شعاری اور تقوی کے اعتبار سے بالکل ہم آہنگ نہیں ہے۔ بیگانگی اور باہر سے لائے جانے کے علاوہ یہ لباس وضو اور نماز کے ادا کرنے میں بھی رکاوٹ ڈالتا ہے۔ علاوہ ازیں مغربی لباس زیب تن کرنے سے احساسِ کمتری اور اپنی روائتی اقدار اور نیکیوں کو حقارت سے دیکھنے کی ایک ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے ۔

صدر پاکستان نے متعدد بار قومی لباس کی دفاتر اور باہر کے ممالک میں تقاریب کے موقعوں پر زیب تن کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے یکم دسمبر ۱۹۸۱ء سے سرکاری دفاتر میں پاکستانی لباس زیب تن کرنے کا جو حکم جاری کیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے کہ اس سے اسلامی تشخص کو اجاگر کرنے میں مدد ملتی ہے ۔ حکومت کی طرف سے دفاتر میں پہن کر آنے کے لئے جو لباس تجویز کیا گیا ہے یا ہمارے ملک میں علاقائی لباس رائج ہیں ان کو اختیار کرنے سے رفتہ رفتہ یہ ذہنیت کہ مغربی لباس عزت و عظمت کی علامت ہے یکسر بدل جائے گی اور لوگوں کے ذہنوں میں اپنے لباس جو اسلامی قدروں کی عکاسی کرتا ہے کی اہمیت قائم ہو جائے گی ۔ اس ضمن میں ضروری ہے کہ صدرِ پاکستان کی طرف سے جاری کردہ حکم نامہ پر پوری طور پر پابندی کروائی جائے تاکہ سادگی کو فروغ ملے اور احیائے اسلام کی طرف پیش قدمی کی راہیں ہموار و آسان ہوں ۔

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 20:9-10 (1983)

فقہِ اسلامی کی تدوینِ نو

سید عبدالرحمٰن بخاری

اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر اور حیاتِ اجتماعی کے تمام شعبوں کی صورت گری کے لیے بنیادی اقدار اور اولین معیار (GRAND NORMS) فقہ اسلامی مہیا کرتی ہے جو دین اسلام کی ابدی قانونی پوزیشن کے تحفظ کے لیے ائمہ ھدیٰ کی قابل قدر فکری و اجتہادی کاوشوں کا شیریں ثمر اور قرآن و سنت اور تعامل امت کی روح ہے۔ اپنے استنادی اور اجتہادی مصادر کی بدولت فقہ اسلامی ثبات و تغیر دونوں صفات سے پوری طرح متصف اور حرکت و ارتقاء کی بھرپور صلاحیت سے آراستہ ہے فقہ اسلامی ہی اصولی نظریات کے ساتھ ساتھ اسی کثرت سے فروعی احکام ہیا کردہ معلومات و مدلولات سے پُر اور کبھی خشک نہ ہونے والا ایسا چشمہ ہے جس کی نظیر دیگر اقوام عالم کے ہاں ملنا محال ہے۔ اس عظیم سرمایہ کی دستوری و قانونی قدر و قیمت میں شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ احکام و قانون کے اس کبھی خشک نہ ہونے والے مقدس چشمے کے ہوتے ہوئے آج عالم اسلام نظریاتی بحران کا شکار اور اپنے نظام حیات کے سلسلے میں بتکدۂ مغرب کی جانب سر جھکائے کیوں نظر آتا ہے؟ اور امت مسلمہ کے مستقبل پر مایوسی کے سیاہ بادل کیوں چھائے ہیں؟ اس سوال کا جواب جس رُخ سے بھی دیا جائے مورد الزام خود موجودہ امت مسلمہ ہی ٹھہرتی ہے۔

اس مضمون میں اسی سوال کا جواب فقہ اسلامی کی داخلی توانائیوں اور امت مسلمہ کی

فکری و عملی پژمردگیوں کے حوالے سے دینا مقصود ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل عنوانات پر قدرے تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

۱۔ کیا فقہ اسلامی جمود کا شکار ہے ؟

۲۔ کیا فقہ قدیم عصر حاضر میں بعینہ قابل عمل و قابل نفاذ ہے !

۳۔ کیا فقہ اسلامی تشکیل نو کا محتاج ہے ؟

۴۔ اثبات کی صورت میں، تشکیل جدید کی شرائط، نہج اور طریق کار کیا ہونا چاہیے۔

فقہ اسلامی میں جمود !

اس باب میں دو رائیں ہیں۔ ایک رائے کے مطابق مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ فکر و نظر کے سوتے پھوٹنے بند ہو گئے اور فقہ اسلامی میں ٹھہراؤ اور جمود جگہ پکڑنے لگا حتیٰ کہ تیرھویں صدی عیسوی میں سقوط بغداد کے بعد فقہی اجتہاد ختم ہو گیا اور آج تک فقہ اسلامی پر جمود چھایا ہوا ہے دوسری رائے کے مطابق فقہ اسلامی کبھی انحطاط پذیر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کسی جمود و تصلب کا شکار ہوا۔ باب اجتہاد کھلا رہا اور کھلا ہے۔ اب اختصار کے ساتھ دونوں نقطہ ہائے نظر کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

پہلی رائے :۔ اس رائے کے مطابق تیسری صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) کے وسط میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ فقہی ارتقاء رک گیا اور فقہ اسلامی چار مشہور مذاہب میں محدود ہو کر رہ گیا۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں :۔

"پھر آہستہ آہستہ عربی تمدن میں زوال آگیا اور اس کے تمام شعبوں میں جمود طاری ہو گیا۔ اس کے بعد تقلید کا دور دورہ ہو گیا اور اجتہاد رک گیا" اس فقہی جمود کے بہت سے اسباب بیان کئے گئے ہیں جن میں فقہاء مابعد کی عصری تقاضوں سے غفلت اور بے خبری کے علاوہ مسلمانوں کے سیاسی اور فکری انحطاط کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے تشکیل جدید کے چھٹے خطبے میں خاصی طویل بحث کرتے ہوئے اس فقہی جمود کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کئے ہیں۔

۱۔ معتزلہ کی عقلیت پرست تحریک اور ان کے پیدا کردہ فکری انتشار سے بچنے کی کوشش۔

۲۔ **تصوف کے اثرات اور اس کے پیدا کردہ نتائج**:۔ اس سلسلہ میں اقبال فرماتے ہیں۔ "تصوف مذہبی حیثیت سے فقہار کی دور از کار موشگافیوں کے خلاف ایک ردعمل تھا۔ نفوس عالیہ کو تصوف نے اپنا گرویدہ بنالیا۔ اسلامی مملکت اور تہذیب و تمدن ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے ہاتھ میں آکر تغیر و ترقی سے محروم ہو گئے۔ اب عوام کی رہنمائی کون کرتا۔ فقیہوں میں جمود پیدا ہوگیا اور یوں عوام کے لئے تقلید کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا"۔

۳۔ **زوال بغداد اور سیاسی انحطاط**:۔ تاتاریوں کی غارت گری نے کتب خانوں کو تباہ کر دیا۔ کثرت سے علمار شہید ہوگئے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایسی تباہی اور پریشان حالی میں یہی مناسب سمجھا گیا کہ آزادخیالی اور اجتہاد کو روک کر لبقیۃ السیف ملت کو ایک خاص طرزِ فکر اور مخصوص شعائر عمل پر استوار کیا جائے۔ ہنگامی طور پر یہ طریق غلط نہ تھا مگر اس کا ایک غیر مستحسن نتیجہ یہ نکلا کہ تقلید ہمیشہ کے لئے ملت اسلامیہ کا شیوہ بن گئی[۲]۔

اس جمود کے اور بھی بہت سے اسباب بیان کئے جاتے ہیں جن میں چند اہم تر یہ ہیں۔

۴۔ **اہلیت اجتہاد کا فقدان**:۔ زمانۂ مابعد کے فقہار میں اجتہاد مطلق کی اہلیت و استعداد بڑی حد تک ہوگئی تھی۔ اس لئے خطرہ تھا کہ مبادا کوئی جاہل و بے دین عقلیت پرست اجتہاد کا جھوٹا دعویٰ کر کے دین کو تباہ کر ڈالے۔ اس نزاکت احوال کو دیکھ کر فقہا نے دو فتنوں میں سے کم تر درجے کے فتنے کو پسند کیا اور ملحدانہ اجتہاد کے مقابلہ میں تقلید و تقیید کی قباحتوں کو ترجیح دی۔

۵۔ **اخلاقی اور فکری انحطاط**:۔ مسلمانوں کا اخلاقی زوال بھی فقہ اسلامی کے ارتقاء کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوا۔ اس زوال سیرت کے سبب بڑے بڑے ذہین و فطین لوگ حکمرانان وقت کے درباروں سے وابستہ ہوگئے اور ان کی خوشنودی و رضامندی کے لئے اپنے اجتہادات و فتاوی کو وقف کر دیا۔ چنانچہ عوام و علمائے بدظن ہو کر اجتہاد کا دروازہ ہی بند کر دیا۔

۶۔ **قانون کا عملی زندگی سے انقطاع**:۔ قانون فطرت ہے کہ جس چیز کا استعمال

اور مصرف نہ ہو وہ اپنی حرارت کھو دیتی ہے۔ اور تعطل کا شکار ہو جاتی ہے فقہ اسلامی کے ساتھ بھی یہی ٹریجیڈی ہوئی چنانچہ جب مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہی تو ریاستی امور کے سلسلہ میں اجتہادی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ جانا ایک فطری عمل تھا۔ رفتہ رفتہ اس کا دائرہ وسیع ہو کر سارے فقہ کو محیط ہو گیا اور بعد میں جب مغرب کے لادینی اثرات تقریباً تمام مسلم ممالک پر چھا گئے اور ایک محدود علاقہ کے سوا اجتماعی و سیاسی زندگی کے ہر شعبے میں وضعی قوانین دخیل ہو گئے تو ایسے میں فقہ اسلامی کا ارتقار بالکل ہی رک گیا۔ ایک مصری عالم عبدالوہاب خلاف نے اس موضوع پر خاصی بحث کی ہے اور فقہی جمود کے ۴ اسباب بیان کئے ہیں۔

۷۔ **فقہ سے حکمرانوں کی بے رغبتی**:۔ اسلامی ریاست کی علاقائی تقسیم سے حکمران اندرونی اور بیرونی مسائل میں الجھ کر رہ گئے اور عوام بھی علوم و فنون سے بے رغبت ہو گئے۔ چنانچہ دیگر علوم کی طرح فقہ میں بھی تعطل رونما ہو گیا۔

۸۔ **فقہاء مابعد کی مسلکی عصبیت**:۔ چار فقہی مذاہب کے فروغ کے بعد علمار انہی دوائر میں محدود ہو کر رہ گئے اور اپنی اجتہادی کاوشوں کا محور اپنے اپنے مسلک کی تائید و تثبیت کو قرار دے لیا جس سے اجتہاد مطلق کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

۹۔ **نااہل افراد کا دین سے تلاعب**:۔ منصب اجتہاد کو نااہل افراد سے محفوظ رکھنے کے لئے کوئی مناسب اقدامات نہیں کئے جا سکے۔ تو کچھ عرصہ بعد بے دین و نااہل افراد نے اجتہاد کے نام پر دین سے تلاعب شروع کر دیا۔ چنانچہ مجبوراً اجتہاد کا سلسلہ روکنا پڑا۔

۱۰۔ **علمائے مابعد میں اخلاقی انحطاط**:۔ بہت سے علمار میں آہستہ آہستہ مسلکی تعصب نے حسد، عناد، انانیت اور جاہ پرستی جیسے اوصاف پیدا کر دیئے۔ چنانچہ اگر کوئی عالم اجتہاد کرتا بھی تو اس کی مخالفت ہوتی اعتراضات کئے جاتے چنانچہ رفتہ رفتہ اجتہاد کا سلسلہ بند ہی ہو گیا[۳]۔

دوسری رائے:۔ راسخ العقیدہ طبقہ (ORTHRODOX) یقین رکھتا ہے کہ فقہ اسلامی میں کبھی کسی قسم کا جمود و تعطل نہیں آیا۔ دلیل یہ ہے کہ فقہ اسلامی میں نظری طور پر اجتہاد کا دروازہ اب بھی کھلا ہے اور عہد سابق میں بھی علماء مقید اجتہاد کے تحت اپنے اپنے مسلک کے دائرے میں رہتے ہوئے نئے نئے مسائل کی تخریج و تفریع میں کوشاں رہے جیسے فقہ حنفی میں بیع وفا کا مسئلہ وغیرہ۔ باقی رہا ساتویں صدی کے بعد اجتہادی کاوشوں کا فقدان اور تقلید کا دور دورہ تو اس کی دو وجوہ تھیں۔ اول یہ کہ اس دور میں اجتہادی صلاحیتیں عنقا ہو گئی تھیں اور دوسری یہ کہ نئے قوانین کی ضرورت نہیں تھی کہ اس وقت تک جتنے مسائل بھی سامنے آتے رہے ان سب کا حل دوسری صدی ہجری کی مدونہ فقہ میں موجود تھا۔ اس لئے اب اجتہاد کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ البتہ اجتہاد مقید جاری رہا۔ لہٰذا فقہ اسلامی میں جمود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔

معتدل نقطہ نظر

میرے خیال میں ان دونوں آراء کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے یہ رائے اختیار کی جا سکتی ہے کہ گو بادی النظر میں فقہ اسلامی جمود و تعطل کا شکار نظر آتا ہے مگر گہری نظر سے مطالعہ کرنے پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بحیثیت علم و فن پورے فقہ اسلامی کے اندر کوئی جمود نہیں۔ البتہ عہد تدوین کی سی گہما گہمی اور گرمئی مباحث کا فقدان ایک فطری عمل تھا جسے جمود سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ابتدائی تدوین کے بعد بھی فقہ اسلامی میں برابر ارتقا ہوتا رہا۔ بالخصوص مسلمانوں کی انفرادی زندگی سے متعلق امور میں بحث و تمحیص ہر دور میں رہی ہے تاہم ریاستی اور حکومتی مسائل سے متعلق جدید اجتہادی کاوشوں کے فقدان کی وجہ ان کی عدم ضرورت اور بعد کی مسلم حکومتوں کے غیر اسلامی رجحانات بنے۔ مسلمانوں کے ہمہ جہتی زوال و انحطاط نے ایک طرف تو ان سے اجتہادی صلاحیتوں کو سلب کر لیا اور دوسری طرف کئی انقلابات زمانہ نے مسلمانوں کے فکری سوتوں کو بند کر دیا جس سے فقہاء مابعد کی اجتہادی کاوشوں پر تعطل اور جمود چھا گیا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جب تک فقہ اسلامی کا وہ مفہوم جو اس کی اولین تدوین کے وقت

رائج تھا، موجود ہے، یعنی ایک علم وفن کی حیثیت سے فقہ اسلامی کے امکانات زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں۔ اور اس کے اصول وکلیات اور اجزائے ترکیبی میں ثبات اور تغیر دونوں عنصر متوازی حیثیت میں موجود ہیں۔ فقہ اسلامی کی اساس یعنی اجتہاد کا جواز مسلّم اور عصری تقاضوں سے اس کی ہم آہنگی کی ضرورت کا احساس بلکہ یقین موجود ہے، تب تک فقہ اسلامی جمود کا شکار نہیں ہو سکتی۔ اس ضمن میں فرید وجدی کا یہ بیان نہایت شفاف اور مبنی برحقیقت ہے کہ جب مسلمانوں پر اجتماعی جمود طاری ہو گیا اور وہ شریعت کے اسرار سمجھنے سے قاصر ہو گئے تو انہوں نے اجتہاد کا دروازہ ہی بند کر دیا حالانکہ وہ کتاب اور سنت کی نص کی رو سے قیامت تک کھلا ہوا ہے

قدیم فقہ کا بعینہ نفاذ

یہ سوال از حد اہم بھی ہے اور بے پناہ نازک بھی ہے، لہٰذا اس پر اظہار خیال سے پیشتر خود سوال کا مفہوم واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج کے بدلے ہوئے حالات میں دوسری اور تیسری صدی ہجری کی مدونہ فقہ اسلامی بعینہٖ نجی اور سرکاری و عدالتی طور پر زیر عمل لائے جانے اور نافذ کیے جانے کی پوری پوری اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے یا آج کے حالات کی روشنی میں اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے؟

اس سلسلے میں تین مختلف آراء پائی جاتی ہیں، اختصار کے ساتھ ان تینوں آراء کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ راسخ العقیدہ طبقہ اس یقین کا حامل ہے کہ فقہ اسلامی جس طرح کہ ان جلیل القدر ائمہ دین نے مرتب اور مدون کر کے امت کے سامنے پیش کیا تھا بالکل اسی ترتیب کیساتھ، اسی ہیئت اور اسی حالت میں اپنے تمام کلیات وجزئیات سمیت آج کے حالات میں بھی بالکل اسی طرح قابل عمل اور قابل نفاذ ہے جس طرح ان حالات میں تھا کیونکہ یہ جن اصولوں پر مبنی ہے وہ ابدی ہیں اور جب تک یہ اصول موثر رہیں گے فقہ اسلامی بھی بعینہٖ واجب النفاذ رہے گا۔ اس کی دوسری دلیل "تعامل امت" دی جاتی ہے۔ یعنی امت کسی نہ کسی حیثیت میں اس سارے عرصے میں اسے بعینہٖ اپنائے رہی

ہے لہٰذا ہم اسے اسی حیثیت میں قبول کریں گے۔ اس سلسلہ میں مفتی جمیل احمد تھانوی کا یہ بیان قابل غور ہے۔ "یہ طے شدہ بات ہے کہ تحقیق و تفتیش کا کام پہلی صدی، دوسری صدی اور تیسری صدی میں پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ اس کا نام فقہ اسلامی ہے جو ائمہ صدی کی تحقیقات کا مجموعہ ہے......اگر تحقیقات اسلامی سے ایسے مفہومات مراد ہوں جو مکمل اور تنقیح شدہ موجود ہیں تو موجودہ دور کی تحقیق اگر اس کے مطابق ہے تو بلاضرورت ہے اور اگر تحقیق اس کے خلاف ہے تو مردود ہے۔ اس پر امت محمدیہ کا اجماع ہے۔"[۵]

بادی النظر میں یہ رائے مستحکم معلوم ہوتی ہے مگر انتہا پسندانہ اور غیر حقیقت پسندانہ ہے اس کی دونوں دلیلیں یعنی ابدیت اور تعامل امت اس رائے کو تقویت نہیں دیتیں کیونکہ اصول کی حدود میں رہتے ہوئے مختلف جزئیات کا استخراج کیا جا سکتا ہے۔ مزید برآں جزئیات کے استخراج میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ مجتہد کبھی صحیح نتیجے پر پہنچتا ہے اور کبھی اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے ظنی بات کو غیر متبدل ماننا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

دوسری دلیل تعامل امت، فقہ کے ایک خاص حصے یعنی ارکان اسلام کی حد تک قابل قبول ہے مگر معاملات کے سلسلے میں عرصے سے فقہی مسائل پوری طرح پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔

ملا۔ مذکورہ بالا رائے کے ردعمل میں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ فقہ اسلامی جس دور اور جس زمانے میں مدون ہوا اور جن حالات میں وہ اس وقت نفاذ پذیر ہوا چونکہ اب وہ حالات باقی نہیں رہے اس لئے آج کے حالات میں قدیم فقہ کا نفاذ ناممکن ہے۔ یہ نقطۂ نظر فقہ میں جمود اور نئے مسائل کو اجتہاد کے ذریعے حل نہ کرنے سے پیدا ہوا۔ اس نقطۂ نظر کے پیدا ہونے اور زور پکڑنے کے مندرجہ ذیل اسباب نظر آتے ہیں۔

۱۔ احکام فقہ سے حکمرانوں کی بے اعتنائی:۔ اپنی مفاد پرستی کی وجہ سے حکمرانوں نے فقہی احکام سے بے اعتنائی برتنا شروع کر دی اور حکومت کی سطح پر کوئی فقہی ادارہ باقی نہ رہا اگر خلافت راشدہ کی طرح شوریٰ اور اجماع ایک منظم سرکاری ادارے کی حیثیت سے کارفرما رہتا تو بہت سی قباحتیں جو بعد میں پیدا ہوئیں کبھی جنم نہ لیتیں اور نہ آج فقہ اسلامی کی صلاحیت نفاذ اور اس کی

۲۔ عالمِ اسلام کی سیاسی اور ذہنی غلامی کے اثرات :۔ گزشتہ صدی تقریباً پورے عالمِ اسلام کی ذہنی و سیاسی غلامی کی صدی ہے۔ اس غلامی کی بیڑیاں تو کٹ گئیں اور کٹ رہی ہیں مگر اس دوران امت کے فکری سرمائے کو جو گھن لگ چکا تھا اس کے اثرات ابھی باقی ہیں۔ اس دورِ غلامی میں تقریباً ہر مسلم ریاست غیر اسلامی قوانین کی آماجگاہ بنی رہی اور سامراجی قوتوں نے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے غافل رکھنے کے لئے پُرفریب چالیں چلیں۔

بہرحال دورِ غلامی میں مسلمانوں کو یہ سبق پڑھایا گیا کہ قدیم مسلم قوانین اب تغیرِ احوال کے باعث جدید معاشرے میں قابلِ عمل نہیں رہے۔ لہٰذا قوانین بنانا اور نافذ کرنا حکومتِ وقت کا کام ہے۔

۳۔ اسلام کے خلاف عجمی سازش :۔ فقہ کے ناقابلِ عمل ہونے کا نظریہ بعض عجمی سازشوں کا بھی نتیجہ ہے مثلاً اٹھارویں صدی میں ایران سے 'بابی تحریک' اٹھی جس کا نعرہ ہی یہ تھا کہ قدیم اسلامی نظام اب قابلِ عمل نہیں رہا۔ اسی پس منظر میں مشہور 'نظریۂ النفی' ایجاد ہوا جس کا مقصد نظریاتی پروپیگنڈہ کے ذریعہ مسلمانوں کے اذہان سے اسلام کو محو کرنا تھا۔ ہمارے عہد میں انگریز نے اپنی سازش کا جال پھیلایا اور 'نبی قادیان' کے روپ میں اسی پرانے دجل و فریب پر مبنی کھیل کو ایک نئے انداز سے رچایا جس میں بعض ارکانِ دین (حج اور جہاد) تک کی منسوخی کا ڈرامہ بھی سامنے آیا۔ اور اس کے بعد تجدد پسندی کے ایک سیلِ ہمہ گیر نے اس سازش کو پروان چڑھایا۔

۴۔ انتہا پسند مذہبی ذہنیت کا ردِعمل :۔ کچھ عرصہ پیشتر اور بالخصوص آج کل انتہا پسند مذہبی ذہنیت نے جس کا نقطۂ نظر اوپر بیان ہو چکا ہے اس رائے کو غیر شعوری طور پر تقویت پہنچائی بلکہ ایک حد تک اس نقطۂ نظر کے خود مسلم معاشرے کے اندر سے جنم لینے کا سبب بھی یہی مذہبی ذہنیت بنی عصری تقاضوں سے مذہبی طبقے کی غفلت کے ردِعمل کے طور پر بھی اس نظریئے کو تقویت ملی۔

بہرحال اسباب و عوامل کچھ بھی ہوں اصل بات یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا فقہی تشخص

ختم کرنے اور اسے اپنے تابناک ماضی سے غافل کرنے کے لئے بڑے ہی وسیع پیمانے پر اس نقطۂ نظر کا پرچار کیا جا رہا ہے۔

III۔ تیسرے نقطۂ نظر کے مطابق اصل مقصود معاشرہ میں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ ہے تاکہ اس انداز سے کہ مسلمان عصری تقاضوں سے مکمل طور پر عہدہ برآ ہوتے ہوئے ارتقا پذیر دنیا کے ساتھ بھرپور ترقی کرتے چلے جائیں اور اس کرۂ ارض پر انسان کے حقیقی نصب العین، توحید پر مبنی نظام کے قیام کی راہ ہموار کرتے رہیں اس کام میں فقہ اسلامی کی حیثیت سے غیر متبدل اور اٹل حصہ تو بہرحال واجب النفاذ ہو گا۔ رہا متبدل حصہ تو وہ جس حد تک حالات اور زمانہ کی ضروریات کی تکمیل کرتا رہے گا اس حد تک قابل عمل و قابل نفاذ رہے گا۔ اور جہاں جہاں اس میں اسلام کے اصولوں کی حدود میں عصری تقاضوں کے پیش نظر کسی قسم کے تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس ہوگی۔ قیاس و اجماع کے اجتہادی ماخذ قانون استعمال کرتے ہوئے وہاں تغیر و تبدل روا رکھا جائے گا۔

یہ نقطۂ نظر کافی حد تک اعتدال و توازن لئے ہوئے ہے اور اس کی تائید خود مدونہ فقہی مذاہب کے اندرونی نظائر سے ہوتی ہے مثلاً فقہ حنفی میں خود امام صاحب اور صاحبین کے اختلافی اقوال میں سے بعد کے فقہاء نے عصری تقاضوں کی روشنی میں اجتہاد ترجیحی کے ذریعہ کسی ایک قول کو اپنایا اور مجلۃ الاحکام العدلیہ، فتاوی عالمگیری اور دیگر قانونی مجموعوں کی تدوین میں بھی یہی روش اختیار کی گئی ہے۔ ادھر عرصہ ہوا خود فقہائے ہند نے زوجہ "مفقود الخبر" کے مسئلہ میں فقہ حنفی پر مالکی مسلک کو ترجیح دی۔ نیز اس کی سب سے بڑی مثال امام شافعیؒ کے قدیم و جدید مذہب کا اختلاف ہے کہ ایک ماحول اور علاقے میں جو مذہب آپ نے قابل عمل سمجھا دوسرے ماحول اور علاقہ میں جاکر اسے ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے ترک کر دیا۔

جزوی طور پر فقہ کی تدوین نو کی ضرورت: مندرجہ بالا مثالوں اور مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں جزوی طور پر فقہ کی تدوین نو کرنا بالکل ضروری اور ناگزیر امر معلوم ہوتا ہے۔

تغیر پذیر زندگی سے ہم آہنگی: اسلام ایک ابدی دین ہے اور ہر دور کے لئے ہے۔ اس لئے

فقہ اسلامی کوئی ساکن اور منجمد قانون نہیں ہو سکتا کہ ایک خاص دور کے مسائل کا حل پیش کرے اور دوسرے دور کے مسائل کا نہ کرے۔ ہر دور کے مسائل کے حل کے لئے اجتہاد ضروری ہوگا اور ان مسائل سے متعلق نیا فقہ مدون کرنا ناگزیر ہوگا۔

اقبال فرماتے ہیں "موجودہ دور میں اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی تدوین جدید ہے تاکہ زندگی کے ان سینکڑوں، ہزاروں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا جائے جن کو دنیا کے موجودہ قومی اور بین الاقوامی، سیاسی، معاشی اور سماجی ارتقاء نے پیدا کر دیا ہے۔" [6]

ڈاکٹر اقبال ؒ نے خطبات تشکیل جدید کے چھٹے خطبے میں فقہ اسلامی کی تشکیل نو کی غرض و اہمیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اسلام اپنی خصوصیات کے اعتبار سے غیر مقامی ہے اس کا مقصد انجام کار انسانیت کے لئے اتحاد کا ایک ایسا نمونہ پیش کرنا ہے جس میں باہم مخالف نسلوں کے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مل گئے ہوں اور بکھرے ذروں کے اس ڈھیر کو ایک خود شعور ملت میں تبدیل کرنا ہے چنانچہ ایک عالمی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے لئے جس کا احساس بتدریج اب ساری نسل انسانی کو ہو رہا ہے فقہ اسلامی کی تدوین نو ضروری ہے"

۳۔ اسلام کی ابدیت :۔ اسلام کا نصب العین پوری انسانیت کی اصلاح و فلاح ہے جو اس کے تمام انفرادی اور اجتماعی حالات کو محیط اور اس کے حاضر و مستقبل پر حاوی ہے۔ اسلام کے اس مقصد سے متفرع ہونے والی اس کی مندرجہ ذیل تین خصوصیات ہیں۔

I۔ خاتمیت = یعنی آسمانی شرائع میں اسلام آخری شریعت ہے اور اس کے حامل خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

II۔ خلود = یعنی اسلامی شریعت کسی معین عرصے کے لئے وجود میں نہیں آئی کہ اس کے بعد اس کا کام ختم ہو جائے بلکہ شریعت اسلامی ابدی اور دائمی ہے۔

III۔ استیعاب = یعنی شریعت اسلامی کی جامعیت و ہمہ گیری۔ شرعی احکام اور اس کے قواعد و ضوابط سے جو قانونی نظام ترکیب پاتا ہے وہ تمام پیش آمدہ اور ممکن الوقوع مسائل کو محیط ہے

اور اس لائق ہے کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کی قانونی ضروریات کی تکمیل کر سکے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے احکام میں لچک اور عمومیت ہے ۔

۴ ۔ امت مسلمہ کا منصب قیادت :۔ امت مسلمہ کو بحیثیت مجموعی نوع انسانی کی قیادت کے منصب پر فائز کیا گیا ہے ۔ اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمانوں نے واقعۃً پوری انسانیت کی فکری ، تہذیبی اور عملی قیادت کا ایسا ثبوت فراہم کیا تھا جس کا اعتراف آج تک ساری دنیا کو ہے اور اس وقت بھی دنیا ملت اسلامیہ کے تابناک ماضی سے خضرراہ کا کام لے رہی ہے ۔ ادھر ہم ہیں کہ ماضی سے غافل اور مستقبل سے بے پرواہ محو خواب گراں ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان ایک زندہ قوم کی حیثیت سے ، صحت مند اخلاقی قدروں کو لے کر انسانی سوسائٹی میں خدمت اور قیادت کا جذبہ و حوصلہ رکھتے ہیں تو پھر انہیں سنجیدگی سے از سر نو اپنے اجتماعی اور مروج معاشی قانونی نظام کا جائزہ لینا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ یہ نظام کہاں تک قرآن مجید کے پیغام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں عہد حاضر کے تقاضوں کا ساتھ دے رہا ہے ؟

دنیا کا موجودہ قانون جس نے آسمانی تعلیم سے اپنے رشتے توڑ لئے ہیں اپنی پوری ظاہری خوبیوں کے باوجود معاشرتی بے چینی کے ازالے میں کامیاب نہیں ہو پایا ہے ۔ مزید برآں دنیا میں متلاشیان حق نے اس حقیقت کا سراغ پالیا ہے کہ اسلامی قانون سے تجاہل نہیں برتا جا سکتا ۔ لیہ (LAHAI) میں ۱۹۳۸ء میں اہل قانون نے ایک بین الاقوامی اجتماع کے اختتام پر یہ بات تسلیم کی کہ

۱ ۔ قانون کے تقابلی مطالعہ کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ اسلامی شریعت بھی ہے

۲ ۔ شریعت اسلامیہ اپنی ذات میں ایک مستقل ادارہ ہے ۔

۳ ۔ شریعت اسلامیہ وقت کا ساتھ دے سکتی ہے اس میں داخلی طور پر قوت نمو موجود ہے ۔ دنیا کے اس اعتراف کو عملی اور تجرباتی طور پر حقیقت ثابتہ کی حیثیت سے آشکارا کرنے کے لئے فقہ اسلامی کی تشکیل جدید ضروری ہے ۔

۵ ۔ فقہ اسلامی کی خارجی عوامل سے اثر پذیری :۔ فقہ اسلامی کا غیر منصوص حصہ

کافی حد تک معاشرتی و سماجی رسوم و رواج اور دیگر جغرافیائی و علاقائی عوامل سے اثر پذیر ہے۔ مسلمان ماہرین قانون نے شام عراق، ایران اور مصر میں پائے جانے والے ان مقامی رسوم کو اپنایا جو شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں تھیں۔ بالخصوص حنفی فقہاء نے مختلف معاملات اور تصرفات و عمل کی مختلف نوعیتوں میں لوگوں کے حقوق کے ثبوت و عدم ثبوت میں عرف و تعامل کو بڑا وزن دیا ہے۔ اس کی واضح مثال بیع الوفاء ہے جو ترکستان میں ایک عام رسم کے طور پر رائج تھی۔ اس سلسلہ میں امام شافعیؒ کے قدیم و جدید مذہب کا اختلاف بھی ملحوظ ہے۔ جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ چونکہ رسوم و رواجات ہر زمانے کے یکساں نہیں ہوتے نیز علاقائی اور جغرافیائی اختلافات بھی عرف و رواج میں تفاوت کا باعث ہوتے ہیں اس لئے ایک خاص وقت اور خاص علاقہ کی مروجہ رسوم مستقل قانون کی حیثیت سے تغیرات زمانہ کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ لہذا عصر حاضر میں ان رسوم پر مبنی قوانین کا از سر نو جائزہ لینا بھی ضروری ہے ورنہ عرف پر مبنی عارضی قوانین عصری تقاضوں کی تکمیل نہ کرنے کے الزام کی اساس پر پوری فقہ اسلامی سے اعراض کا موجب بنیں گے۔

۱۔ اسلام اور مغرب کا تہذیبی تصادم :۔ اسلام اور مغرب بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اسلام اور غیر اسلامی دنیا کا فکری اور تہذیبی تصادم ایک ناقابل تردید حقیقت کی حیثیت سے ذی عقل انسان کے لئے ایک لمحۂ فکریہ بنا ہوا ہے۔ عصر حاضر میں اسلام کے خلاف لادینی افکار و نظریات کا ایک سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے۔ اسلام اور تہذیب جدید کا یہ تصادم دراصل اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ مغرب کے علمی، فکری اور تہذیبی استیلاء سے مسلمانوں کے فکر و دانش کے بہت سے چشمے خشک ہو چکے ہیں تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ اسلامی آج تک امت مسلمہ کی تہذیبی تنظیم اور مغرب کی نظریاتی یلغار کے مقابلے میں اسلامی نظریۂ حیات کے تحفظ و دفاع کے سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کرتا رہا ہے۔ چنانچہ آج اگر مسلمان مغرب کی تہذیبی اور سیاسی برتری سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، بین الاقوامی فکری و تہذیبی تصادم میں اسلامی نظریۂ حیات کی حقانیت کا اثبات اور تحفظ چاہتے ہیں تو اس کے لئے بنیادی کام جملہ علوم و فنون اور افکار و نظریات بالخصوص

فقہ اسلامی کی تشکیل جدید ہے۔

۷۔ **سیلِ تجدد پسندی کی بندش** :۔ عالم اسلام میں مغربی تہذیب و تمدن کے زیر اثر عملی جدت شعاری کے ساتھ ساتھ فکری اور نظریاتی آزاد خیالی کا ایک سیل ہمہ گیر امڈا چلا آ رہا ہے جو الحاد و لادینیت کا پیش خیمہ ہے۔ اس آزاد خیالی اور تجدد پسندی کے فروغ کے دیگر اسباب کے علاوہ ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا ایک طبقہ قدامت پرستی کی انتہائی سطح میں اسی قدیم روشِ حیات کو اپنائے رہنا چاہتا ہے جس میں عصری تقاضوں اور زمانے کی جائز ضروریات کی تکمیل کی کوئی سبیل نہیں نکلتی۔ اس کے رد عمل میں مذہب بیزاری عام ہو رہی ہے۔ اس بیزاری کو روکنے اور تجدد پسندی کے سیل ہمہ گیر کے آگے بند باندھنے کے لئے مثبت راست اقدام ضروری ہے اور وہ ہے موجودہ مذہبی اور قانونی نظام کے ڈھانچہ پر عمیق غور و فکر کے بعد اس کی جدید تشکیل کرنا۔ اقبال فرماتے ہیں "اگر ہم اسلامی فکر میں کوئی خاص اضافہ نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا ہی کرنا چاہیئے کہ آزاد خیالی کی اس تحریک کو جو دنیائے اسلام میں بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے کچھ یونہی روکنے کی کوشش کریں کہ قدیم نقطۂ نظر کے ماتحت اس کی تنقید صحت مندی سے ہوتی رہے"۔[۸]

۸۔ **فطرت انسانی کی تسکین** :۔ کارگہ حیات میں دو ہی نظام جاری ہیں تکوینی نظام اور تشریعی نظام۔ دونوں کا مبدا و معاد ایک ہی ہے۔ اور دونوں کو بروئے کار لانے والے اصول فطرت بھی ایک ہیں مثلاً تدریج و تأنی وغیرہ۔ ادھر فطرت انسانی کا ایک نہایت ہی اہم تقاضہ ذوق جستجو کی وجہ سے تکوینات کے ہر شعبے میں مستقل ایجاد و اختراع ہے۔ تو جس طرح تکوینیات میں انسانی تصرفات کو جائز ٹھہرایا گیا ہے اور اس کے ذوق ایجاد کی تسکین کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح تشریعیات میں بھی منظم قواعد و کلیات کے ذریعہ نئے نئے فروعی مسائل و احکام کے استنباط سے انسان کے ذوق تقنین کی تسکین کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ نہ ایجاد کی کوئی حد ہے نہ اجتہاد کی ہر ہر زمانے میں دونوں کی عملداری اس عہد کی مخصوص علمی ذہنیت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوا کرے گی[۹]۔

عصر حاضر میں اس فطرت انسانی کا بنیادی تقاضا قانون اور دیگر علوم و فنون کے باب میں تشکیل

جدید ہے۔

فقہ کے تدوین نو کی شرائط اور تقاضے:۔ تدوین نو کا یہ عمل بے ضابطہ اور بے قید نہیں ہوگا۔ اس کی کچھ شرائط ہیں۔ بنیادی لوازمات اور تقاضے ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ چند ایک شرائط حسب ذیل ہیں۔

I۔ مزاج شناسئی شریعت:۔

فروعی قوانین مدون کرنے کے لئے مزاج شریعت کو سمجھنا ضروری ہے۔ فقہ اسلامی میں ظاہری احکام اور احوال وظروف کی اتنی اہمیت نہیں جتنی مقاصد شریعت کی ہے۔ اس ضمن میں اولیاتِ عمرؓ کی مثال واضح ہے۔

II۔ اصول تشریع سے آگاہی

یہ بھی ضروری ہے کہ شارع کے اصول تشریع اور طرزِ قانون سازی کو خوب سمجھ لیا جائے تاکہ موقع و محل کے لحاظ سے وضع احکام میں انہی اصولوں کی پیروی کی جا سکے۔ اس کے لئے مجموعی طور پر شریعت اور فقہ اسلامی کی ساخت اور فرداً فرداً اس کے احکام کی خصوصیات پر گہرا غور و فکر ضروری ہے۔

III۔ نوعیت احوال متغیرہ کا علم

احوال و حوادث کے جو تغیرات احکام میں تغیر یا جدید احکام وضع کرنے کے مقتضی ہوں ان کو دو حیثیتوں سے جانچنا ضروری ہے۔ اول حالات کی نوعیت خصوصیات اور ان میں کارفرما قوتوں کی حیثیت سے دوسرے اس حیثیت سے کہ فقہ اسلامی کے نقطۂ نظر سے ان میں کس کس نوع کے تغیرات ہوئے ہیں اور ہر نوع کا تغیر احکام میں کس طرح کا تغیر و تبدل چاہتا ہے۔ یہ اس لئے کہ معاشرہ کی حالت میں تبدیلی عموماً دو طرح کی ہوتی ہے۔ کبھی یہ تبدیلی معمولی اور وقتی ہوتی ہے جو حالات کے عارضی مد و جزر سے رونما ہوتی ہے اور کبھی ہمہ گیر ہوتی ہے جو ایک دور کے بعد دوسرے دور کے آنے سے ہوتی ہے پہلی صورت میں صرف چند احکام و مسائل کے مواقع و محل میں تبدیلی سے کام چل جاتا ہے لیکن دوسری صورت میں پورے قانونی نظام کو نئے انداز میں ڈھالنے اور نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور

آج قریباً یہی کیفیت ہے کہ مسلم امت کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا ہے جس کے نظریات نے ایمان و اعتقاد کی بنیادیں ہلا دی ہیں اقتصادی تصورات میں بنیادی تغیر آ گیا ہے۔ معاشرتی علوم نے انداز نظر میں گہری تبدیلی پیدا کر دی ہے غرض سوچنے اور رہنے کے انداز یکسر بدل گئے ہیں یوں معاشرہ کی جدید تشکیل نے مذہب و زندگی کے ہر شعبے میں بے شمار نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں لہٰذا فقہ اسلامی کی تشکیل جدید وقت کی لازمی ضرورت بن کر رہ گئی ہے۔

فقہ کی تدوین نو میں حائل رکاوٹیں: تدوین فقہ کی راہ میں حائل رکاوٹیں بنیادی طور پر دو ہیں۔ ایک عقیدۂ تقلید دوسرے عدم اہلیت اجتہاد اور ان دونوں کا ازالہ حسب ذیل تقاضوں کی تکمیل اور ایک واضح اور حقیقی طریق کار اپنا کر کیا جا سکتا ہے۔

IV۔ نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی

نظام و نصاب تعلیم بالخصوص قانونی تعلیم کے نظام میں بنیادی تبدیلی کے ذریعہ قدیم و جدید تعلیم میں تفریق اور دوئی کا مٹانا نہایت ضروری ہے۔ اس دوئی سے ملت اسلامیہ دو ایسی مستقل قوموں میں بٹی ہوئی ہے جو ایک دوسرے کے خیالات، جذبات اور احساسات سے قطعی ناواقف ہیں۔ نیز تعلیم و تدریس خالص اسلامی خطوط پر اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق دی جائے تاکہ تفقہ کی حقیقی صلاحیتیں بیدار ہو سکیں اور اسلامی نظام بالخصوص فقہ اپنے راست سفر پر گامزن رہے۔

V۔ اسلامی تصور قومیت کا احیاء

جدید تصور قومیت کا زہر عالم اسلام کی رگوں میں سرایت کئے جا رہا ہے اور پھر وہی نسلی اور وطنی عناصر ابھر رہے ہیں جنہیں مٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحدت امت کا عملی نمونہ پیش فرمایا تھا۔ ایسے میں خطرہ ہے کہ کہیں قومی اور وطنی فقہ وجود میں نہ آ جائے جو جسد ملت کے لئے ایک اور ناسور ہو گا۔ اس حقیقی خطرہ کا بھرپور مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں سیاسی، ثقافتی اور مذہبی بنیادوں پر اسلامی ممالک میں باہمی ارتباط کی کوشش

ضروری ہیں۔

VI۔ مسلکی عصبیت کا ازالہ

فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ جملہ مذاہب اہلسنت کے پیروؤں میں مسلکی تعصب اور عناد کی بجائے رواداری کی اسپرٹ پیدا ہو۔ چاروں ائمہ مذاہب کا برابر احترام ملحوظ رہے اور مختلف پیش آمدہ مسائل میں جس امام کا اجتہاد بھی کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہو اور جدید مسائل کے حل میں معاون نظر آئے اسے اجتماعی سطح پر اپنانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کی جائے۔ تاہم ہر ملک اور علاقہ میں مروجہ اکثریتی فقہ کو پورا پورا جائز مقام دیا جائے اور ایک مخصوص فقہی مذہب کو اپناتے ہوئے بوقت ضرورت دیگر فقہی مسالک سے بھی رہنمائی حاصل کی جائے جیسا کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں برتا گیا ہے۔

منہاج و طریق کار

فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے لئے منہاج اور طریق کار کا تعین لازمی ہے تاکہ مذکورہ بالا شرائط اور لوازمات کی تکمیل ہو سکے۔ ایک متعین نہج اور طریق کار کے بغیر یہ سفر تجدد پسندی کی تاریک اور گمنام وادیوں میں سرگردانی پر بھی منتج ہو سکتا ہے اور انفرادی اسالیب و طرق کے باعث انتشار و افتراق اور بے ربطی و عدم استواری کا شکار ہو کر پہلے ہی قدم پر ناکامی سے بھی دوچار ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں امت کے مختلف علماء، دانشوروں اور ماہرین قانون نے اپنی اپنی تجاویز پیش کی ہیں جن پر غور و فکر کر کے ایک اجتماعی نظام وضع کیا جا سکتا ہے۔

یہاں تفصیل میں جائے بغیر ان تجاویز کی روشنی میں ایک طریق کار پیش کیا جاتا ہے۔

عالم اسلام کے مشہور پختہ کار فقہا جو علوم جدید کی روشنی میں بھی بہرہ ور ہوں اور جن کی سیرت و کردار اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ دار ہوں۔ اور جدید ماہرین قانون پر مشتمل ایک فقہی ادارہ یا اکیڈمی قائم کی جائے۔ جس کا کام صرف فقہی اور قانونی افکار و نظریات کی تحقیق و تدقیق اور نشر و اشاعت ہو اور ساتھ ہی اجتہادی صلاحیت کے حامل افراد پیدا کرنے کے لئے ایک واضح اسلامی قانونی تعلیم کا نظام وضع

کیا جائے۔

فقہ کی تدوین جدید کا عملی کام سرانجام دینے کے لئے ڈاکٹر اسلم اللہ کا مجوزہ اجماع امت کا یہ سائینٹفک طریق کار مناسب ترامیم اور تفصیلات کے تعین کے ساتھ اپنایا جائے ہر مسلم ملک میں علماء اور فقہاء کی ایک انجمن یا اسمبلی تشکیل دی جائے پھر ان انجمنوں کو ایک مرکزی سیکرٹریٹ سے مربوط کر دیا جائے جو کسی بھی اسلامی ملک میں قائم کیا جاسکتا ہے تاہم اس کی سرکاری زبان عربی ہو۔ عالم اسلام کو جو بھی مسئلہ درپیش ہو وہ اس سیکرٹریٹ کو بھیج دیا جائے۔ مرکزی سیکرٹریٹ یہ سوال فقہاء کی اسمبلیوں کو بھیجدے جو اس کا جواب ایک معینہ مدت کے اندر مرکزی سیکرٹریٹ کو ارسال کر دیں۔ اگر تمام انجمنوں کی طرف سے متفقہ جواب آئے تو اسے اجماع امت قرار دیا جائے اور اسلامی حکومتیں اپنے اپنے ممالک میں قانون کی شکل دے لیں۔ اور اگر جواب میں اختلاف ہو تو پھر ان جوابات کو مع دلائل دوبارہ اسمبلیوں کے پاس بھیجدیا جائے۔ ان کے جوابات آنے پر جس جواب پر اکثریت ہو اسے مزید تفحص کے بعد تسلیم کر لیا جائے۔

اس سیکرٹریٹ اور اسمبلیوں کی رہنمائی اور مدد کے لئے فقہی اکیڈمی کی تحقیقاتی کاوشوں اور اس ادارہ کے پیدا کردہ افراد کار کی خدمات حاصل کی جائیں۔ یہ عالمی ادارۂ شوریٰ اوپر بیان کردہ شرائط و لوازمات کی تکمیل کرتے ہوئے مندرجہ ذیل رہنما اصولوں کو مدنظر رکھے۔

I۔ جن معاملات میں نئے پیش آمدہ مسائل کی وجہ سے حقیقی مشکلات اور پیچیدگیاں رونما ہو گئی ہوں اور جن کا حل ماضی کے فیصلوں میں موجود نہیں ہے ان کے نئے حل تلاش کئے جائیں۔

II۔ نئے حل تلاش کرنے کے لئے سب سے پہلے ائمۂ اربعہ اور بعد کے فقہاء کی آراء کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر ان میں مناسب حل مل جائے تو اسے اختیار کر لیا جائے۔

III۔ جن معاملات میں فقہائے سابقہ کے یہاں حل نہ ملے، وہاں قرآن اور سنت سے مسلمہ فقہی اصولوں اور کلیات کی روشنی میں براہِ راست استنباط کیا جائے۔

موجودہ فقہی قوانین کی دفعہ وار تدوین کا کام سرانجام دینے کے لئے علماء اور فقہاء نیز ماہرین قانون پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا جاسکتا ہے جو ہر ملک کے فقہاء کی اسمبلی کو وہاں کی اکثریتی فقہ کو اساسی طور پر اختیار